مغربی دنیا اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور بڑھ چڑھ کر اپنی زندگیاں تبلیغ کے لیے وقف کرو۔ وقف زندگی کی عظیم الشان تحریک سے ہی اسلام کی آئندہ ترقی وابستہ ہے

(فرمودہ 16 ستمبر 1955ء بمقام احمدیہ ہال کراچی)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے یہاں سلسلہ کی طرف سے ایک مکان بنوایا گیا ہے۔ اس مکان کی اصل غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مرکز کو مضبوط کیا جائے۔ کراچی کے دوستوں کی محنت اور قربانی سے یہ مکان اب خدا تعالیٰ کے فضل سے تیار ہے اور اس میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ پنجاب سے خبریں آ رہی ہیں کہ ابھی وہاں شدید گرمی ہے اور بعض دفعہ تو گرمی کی ایسی شدت ہو جاتی ہے کہ انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میاں بشیر احمد صاحب کا خط آیا ہے کہ ایک دن اچھی بھلی طبیعت تھی کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے ضُعف ہو گیا اور بے چینی بڑھ گئی۔ میرے بچے ربوہ گئے تھے تو میں نے انہیں بھی کہا تھا کہ وہاں کے موسم سے مجھے اطلاع دیں۔ ان کے بھی خط آئے ہیں کہ ابھی وہاں شدید گرمی پڑ رہی ہے۔ ممکن ہے اگر مکان مکمل ہو جاتا تو میں

چند دن اَور ٹھہر جاتا تا کہ وہاں گرمی کم ہو جاتی۔مگر اس میں ہمارے دوستوں کا قصور نہیں۔ یہ محض حالات کا نتیجہ ہے۔ اِس مکان میں ابھی تک بجلی نہیں لگ سکی کیونکہ کھمبے کافی دُور ہیں۔اس وجہ سے شام کو گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے۔اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہمیں کال کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا ہے۔ان حالات میں جانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور ڈر آتا ہے کہ کہیں پھر بیمار نہ ہو جاؤں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رات کو خوب ٹھنڈک ہوتی ہے۔مگر اندھیرے کی وجہ سے ڈر آتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں رہنے سے پھر تکلیف بڑھ جائے۔ہم نے ہری کین[1] رکھے ہوئے ہیں۔ مگر چار مہینے یورپ میں گزارنے کے بعد اور اس وجہ سے کہ ربوہ میں بھی بجلی آچکی ہے اندھیرا اعصاب پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔اور شام کے وقت کوفت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یوں خدا تعالیٰ کے فضل سے مکان آرام دہ ہے اور پانی بھی جماعت کے دوست ہمت کر کے کسی نہ کسی طرح ٹرک کے ذریعہ پہنچا دیتے ہیں۔شیخ عبدالحق صاحب نے بڑی قربانی کر کے جماعت کے دوستوں کے ساتھ مل کر جس میں بڑا حصہ میجر شمیم احمد صاحب کا ہے مکان تیار کروا دیا ہے۔لیکن ابھی شور سے مکان میں گونج پیدا ہو جاتی ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

یورپ میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ جہاں شور ہوتا تھا وہاں میری طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔اب بھی کھانا کھانے یا چائے پینے بیٹھیں اور کوئی بچہ پرچ میں پیالی رکھے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے سر میں ہتھوڑا مارا ہے۔ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ یہ نقص آہستہ آہستہ دور ہو جائے گا لیکن بہرحال ابھی تک طبیعت میں ایسی کمزوری باقی ہے کہ شور برداشت نہیں ہوسکتا۔اسی طرح کئی آدمی مل کر بولیں تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ایک آدمی بولے تو بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے۔ شروع شروع میں چونکہ میری طبیعت میں وہم زیادہ تھا اس لیے مجھے ڈر محسوس ہونے لگا کہ میرے کانوں میں کوئی نقص نہ پیدا ہو گیا ہو۔ چنانچہ ڈاکٹروں سے معائنہ کروایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اگر واقع میں کانوں میں کوئی نقص ہوتا تو ایک آدمی کی بات آپ کیوں سمجھ لیتے۔ایک آدمی کی بات سمجھ لینا بتاتا ہے کہ آپ کے کانوں میں کوئی نقص نہیں۔ باقی زیادہ آدمی بولیں تو چونکہ ہر آدمی کی آواز ابھی امتیازی طور پر آپ الگ محسوس نہیں کر سکتے اس لیے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے میرا خیال ہے کہ سرِ دست ہم واپس چلے جائیں۔ پھر جب بجلی لگ

جائے گی اور مکان مکمل ہو جائے گا تو آ جائیں گے۔ ڈاکٹروں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ میں ایسی جگہ رہوں جہاں معتدل آب وہوا ہو یعنی نہ گرمی زیادہ ہو اور نہ ٹھنڈک زیادہ ہو۔ اس وجہ سے شاید اگلی گرمیوں کے شروع میں مَیں یہاں آ جاؤں اور شاید اُس وقت تک بجلی وغیرہ بھی لگ جائے اور مکان کے باقی نقائص بھی دور ہو جائیں۔

یوں ولایت کے ڈاکٹروں کا مشورہ یہی تھا کہ مجھے اپنا مقررہ کام اب کچھ نہ کچھ شروع کر دینا چاہیے۔ کیونکہ کام کے چھوڑنے کی وجہ سے بھی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ بیماری ابھی دُور نہیں ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ صرف اتنا کام کریں کہ تھکیں نہیں۔ یہاں کے مشہور فزیشن کرنل شاہ آج مجھے ملنے آئے اور انہوں نے میرا حال پوچھا۔ تو میں نے کہا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں آرام کروں مگر یہ نہیں بتایا کہ تھکن کس کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے طبیعت میں ہمیشہ گھبراہٹ رہتی ہے کہ معلوم نہیں میں تھک گیا ہوں یا نہیں تھکا؟ اور ڈاکٹروں کی ہدایت پر عمل ہوا ہے یا نہیں ہوا؟ وہ کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ مغربی نقطۂ نگاہ اَور ہے اور آپ کا نقطۂ نگاہ اَور ہے۔ مغرب میں لوگ جتنا کام کرتے ہیں صرف روٹی کمانے کے لیے کرتے ہیں۔ اس لیے تھوڑی دیر کام کرنے کے بعد اُن کی طبیعت اکتا جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ لیکن آپ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ میں اس لیے کام کرتا ہوں کہ میرے خدا کی طرف سے مجھ پر ایک فرض عاید کیا گیا ہے۔ پس آپ جتنا بھی کام کریں آپ کو اُتنی ہی خوشی اور لذت محسوس ہوگی اور اُتنی ہی راحت معلوم ہوگی۔ پس انہوں نے آپ کو جو کچھ کہا ہے اپنے نقطۂ نگاہ سے کہا ہے آپ کے نقطۂ نگاہ سے نہیں۔ آپ کے نقطۂ نگاہ سے آپ کو اپنے کام میں خوشی محسوس ہوتی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے خدا کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے یہ کام کیا ہے۔ اس لیے اس کام کے نتیجہ میں آپ کو وہ تھکاوٹ نہیں ہوسکتی جو مغربی لوگ اپنی روٹی کے لیے کام کرتے وقت تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد محسوس کرتے ہیں۔ ہاں! اگر آپ واقع میں محسوس کریں کہ آپ جسمانی طور پر تھک گئے ہیں تو کام چھوڑ دیں۔ ورنہ کام کرنا آپ کے لیے مُضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ جب تک جسمانی طور پر آپ کو کوفت محسوس نہ ہو آپ بے شک کام کریں کیونکہ اِس کے نتیجہ میں آپ کے اندر بشاشت پیدا ہوگی۔ اُن کی بات چونکہ معقول تھی اِس لیے میری سمجھ میں آ گئی۔ ورنہ پہلے

مجھے یہی وہم رہتا تھا کہ ڈاکٹر کہتے ہیں تھکو نہیں لیکن بتاتے نہیں کہ تھکاوٹ کس کو کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے لحاظ سے اس کے کوئی بھی معنے نہیں۔ کیونکہ آپ کے کام کی نوعیت بالکل اَور ہے۔ یورپ والا کام کرتا ہے تو کام کرتے کرتے تنگ آجاتا ہے اور وہ اس کے نتیجہ میں کوئی خوشی محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خدمتِ خلق کا کام کر رہا ہے یا خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ لیکن آپ جو بھی کام کریں گے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں گے یا دین کی خدمت کے لیے کریں گے یا خدا تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے لیے کریں گے اور یہ چیز ایسی ہے جس کے نتیجہ میں تھکان کی بجائے آپ کے اندر بشاشت پیدا ہوگی اور آپ خوشی کی لہر اپنے اندر محسوس کریں گے۔ اس لیے اگر آپ چھ کی بجائے سات گھنٹے بھی کام کریں تو کوئی حرج نہیں۔ آپ کے لیے کام کا اتنا ہی معیار ہے جتنا آپ کی طبیعت کے مطابق ہو۔ اس لیے آپ مغربی ڈاکٹروں کی بات نہ مانیئے۔ اُن کا نقطہ نگاہ اَور ہے اور آپ کا نقطہ نگاہ اَور ہے۔

میں آج دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ یہ تو ہر احمدی کہتا ہے کہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا۔ چنانچہ اگر کسی دوسرے وقت آپ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوتے اور میں آپ سے سوال کرتا کہ کیا اسلام دنیا میں غالب آئے گا؟ تو آپ اس کا یہی جواب دیتے کہ کیوں نہیں؟ خدا نے کہا ہے کہ اسلام غالب آئے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات ہیں کہ اسلام غالب آئے گا۔ قرآن کریم میں خبر موجود ہے کہ اسلام غالب آئے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئیاں فرمائی ہیں کہ اسلام غالب آئے گا۔ پس اسلام کیوں غالب نہیں آئے گا۔ لیکن اگر دوستوں کے جواب سے شور پیدا ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں سوال کرتا کہ کس طرح غالب آئے گا؟ آخر خدا تعالیٰ نے ہر کام کے لیے کوئی نہ کوئی طریق مقرر کیا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک عورت بنائی ہے اور ایک مرد بنایا ہے۔ مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں قرار پاتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر کام کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک معیّن طریق رکھا ہوا ہے۔ پس اگر آپ لوگ کسی اَور وقت میرے پاس ہوتے تو میں آپ سے پوچھتا کہ اسلام دنیا میں کس طرح غالب آئے گا؟ اِس وقت سارا امریکہ اسلام کے خلاف ہے۔ سارا یورپ اسلام کے خلاف ہے۔ سارا افریقہ اسلام کے خلاف ہے۔ آپ کس

طرح کہتے ہیں کہ اسلام دنیا میں غالب آ جائے گا؟ آخر اسلام کے غالب آنے کا یہی طریق ہوسکتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو قائل کریں، انہیں سمجھائیں اور ان سے اسلامی تعلیم کی فوقیت منوالیں۔ جب یہی طریق ہوسکتا ہے تو بتایئے، ان سے اسلام منوانے کے لیے آپ کیا کوشش کررہے ہیں؟ شاید آپ یہ جواب دیں کہ ہم چندہ دے رہے ہیں اور ہم مالی لحاظ سے اتنا بوجھ اٹھارہے ہیں کہ شاید کوئی اَور جماعت اتنا بوجھ نہیں اٹھارہی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہماری جماعت مالی قربانی کررہی ہے اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ دشمن بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ جماعت بڑا بھاری بوجھ اپنے اوپر اٹھارہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کراچی اور ربوہ میں چندہ دینے سے امریکہ اور انگلینڈ کے کسی آدمی کا دماغ کس طرح ٹھیک ہوسکتا ہے۔ اُس کا دماغ تو اِسی طرح درست ہوسکتا ہے کہ اُسے سمجھایا جائے کہ تیری رائے غلط ہے، تیرے عقائد غلط ہیں اور صحیح رستہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اور یہ بات آپ لوگوں کے چندوں سے نہیں ہوسکتی۔ آپ خود وہاں جائیں یا آپ کے نمائندے اور قائم مقام وہاں جائیں۔ تب یہ کام ہوسکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ شاید آپ کہیں کہ اِسی لئے تو تبلیغی کالج مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تبلیغی کالج میں کتنے بچے جارہے ہیں؟ جہاں تک میرا علم ہے تبلیغی کالج میں 35,30 طالب علم ہیں اور دنیا کی آبادی دو ارب تیس کروڑ ہے۔ دو ارب تیس کروڑ کی آبادی کو 35 آدمی کس طرح سمجھا سکتے ہیں؟ یہ 35 آدمی تو اُن کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ پاس جانا اور سمجھانا تو دور کی بات ہے خالی اُن کو دیکھ لینے کی بھی اِن 35 آدمیوں میں طاقت نہیں ہوسکتی۔

پس اسلام اگر غالب آسکتا ہے تو اِسی طرح کہ ہماری جماعت کوئی ایسا طریق اختیار کرے جس کے نتیجہ میں اُن لوگوں تک پہنچا جاسکے۔ اور یہ اِسی طرح ہوسکتا ہے کہ وقف کی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔ مگر میرے نزدیک ہماری جماعت میں جیسے چندہ کی تحریک کامیاب رہی ہے ویسے ہی وقف کی تحریک ناکام رہی ہے۔ میں نے دوستوں میں وقفِ اولاد کی تحریک کی تھی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب یا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کا وقف ہے اور یا پھر میری اولاد کا وقف ہے۔ باقی خانہ سب خالی ہے۔ مگر نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد سب جگہ پہنچ سکتی ہے اور نہ میری اولاد سب جگہ پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اس تصور سے بعض دفعہ دل کانپ جاتا ہے

کہ باقی احمدیوں کو دیکھ کر کہیں میری اولاد کے دل میں بھی بے ایمانی پیدا نہ ہو جائے۔ اور وہ یہ خیال نہ کرے کہ ہم ہی قربانی کے بکرے کیوں بنیں۔ جب باقی احمدی اس طرف توجہ نہیں کرتے تو ہم بھی اس کام کو کیوں اختیار کریں۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید تو نہیں کرتا کہ میری اولاد میں یہ خیالات پیدا ہو جائیں مگر ڈر آتا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری اولاد کے دل میں بھی کسی وقت خیال آ جائے کہ اگر اَور کوئی احمدی اپنے آپ کو وقف نہیں کرتا تو ہم بھی کیوں کریں۔ آخر اسلام پر ضعف آیا تو اِسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا کہ کئی مسلمان ہیں جو نمازیں نہیں پڑھتے، کئی مسلمان ہیں جو روزے نہیں رکھتے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر دوسرا ان احکام کو چھوڑ سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں چھوڑ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ انہوں نے بھی نماز روزہ کو ترک کر دیا۔

پس جب تک جماعت میں وقف کی تحریک مضبوط نہ ہو اُس وقت تک ساری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ناممکن ہے۔ اس کے لیے اول تو جماعت کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیے کہ میں نے ایک سے دو بننا ہے، دو سے چار بننا ہے، چار سے آٹھ بننا ہے، آٹھ سے سولہ بننا ہے، سولہ سے بتّیس بننا ہے، بتّیس سے چونسٹھ بننا ہے، اور چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس بننا ہے۔ ہماری جماعت آخر لاکھوں کی جماعت ہے اگر ہر دس سال کے اندر ایک ایک شخص کے ذریعہ دو چار احمدی بھی پیدا ہو جائیں تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ اگلے دس سال میں پندرہ بیس لاکھ ہو جائیں گے۔ اُس سے اگلے دس سال میں اسّی لاکھ ہو جائیں گے۔ اور اُس سے اگلے دس سال میں ڈیڑھ کروڑ تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ یہ ڈیڑھ کروڑ دو ارب تک اسلام کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہوا اور ہر شخص سمجھ لے کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے چندہ دے دیا ہے تو یورپ اور امریکہ کو اسلام کون سمجھائے گا؟ اور اگر سمجھانے والا کوئی نہیں ہوگا تو مانے گا کون؟ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن کے دل اِس وقت اسلام کی طرف مائل ہیں۔

میں نے پچھلے خطبہ میں ہی بیان کیا تھا کہ ایک ڈچ عورت مجھے ملی اور اُس نے بتایا کہ میں نے ایک مصری سے شادی کی ہوئی ہے جس کی پہلے بھی ایک بیوی موجود ہے۔ پھر اس نے کہا کہ

میں تو کسی پادری سے جب اسلام کے خلاف اِسی مسئلہ پر اعتراضات سنتی ہوں تو میں اُس پادری کا گلا پکڑ لیتی ہوں اور میں اُسے کہتی ہوں کہ ایک سے زیادہ بیویاں عورتوں پر آئیں گی یا مردوں پر آئیں گی؟ اِس مسئلہ سے اگر ڈر آنا چاہیے تو مجھے آنا چاہیے۔ مگر مجھے تو کوئی ڈر نہیں آتا۔ کیونکہ اسلام صرف یہی نہیں کہتا کہ زیادہ شادیاں کرو بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہر ایک بیوی کے ساتھ انصاف کرو2۔ انہیں ایک جیسا مکان اور ایک جیسا کپڑا دو۔ ایک جیسا کھانا دو اور ایک جیسا سلوک کرو۔ جب اسلام یہ کہتا ہے تو اس پر تجھے کیا اعتراض ہے۔ آخر تجھ پر تو سوکن نہیں آنی؟ سوکن تو مجھ پر آنی ہے۔ پھر وہ ہنسی اور کہنے لگی۔ ایک مرد کے اپنی بیوی سے کتنے بھی اچھے تعلقات ہوں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں اور وہ سارا دن ایک دوسرے سے نہیں بولتے۔ ایسی صورت میں اُس عورت کو چوبیس گھنٹے اُس کی شکل دیکھنی پڑتی ہے۔ اگر چار بیویاں ہوں اور برابر کا ہر ایک کے پاس مکان ہو، برابر کا کھانا ہو، برابر کا پہننا ہو تو اگر وہ مجھ سے لڑے گا تو میں دوسری بیوی کے مکان کا دروازہ کھول کر اُس کے گھر میں اسے دھکیل دوں گی۔ اور کہوں گی کہ دو گھنٹے تک میں نے تیرا منہ دیکھا ہے اب تُو دوسرے گھر میں جا کہ وہ تیرا منہ دیکھے۔ میں تیرا منہ کیوں دیکھتی رہوں۔ اب دیکھو اس کی طبیعت میں یہ بات کیوں پیدا ہوئی؟ اس لیے کہ اس نے مسلمانوں سے باتیں سنیں اور اس پر اثر ہوا۔ یہاں کی عورتیں سوکن کا نام سن کر جل جاتی ہیں۔ لیکن وہ ہالینڈ میں بیٹھی ہوئی کہتی ہے کہ یہ تو بڑے مزے کی تعلیم ہے۔ اگر کبھی خاوند کا منہ بگڑا ہوا ہوگا تو میں اسے دوسرے گھر میں دھکیل دوں گی۔ اور اس کی شکل نہیں دیکھوں گی۔

تو دلیل ہمیشہ سمجھانے سے سمجھ آتی ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے چونکہ قرآن کریم کے تراجم یورپ میں شائع ہو چکے ہیں اس لیے لوگ جب ان کو پڑھتے ہیں تو بڑے متاثر ہوتے ہیں۔ ہمارا ڈرائیور ایک جرمن مسٹر سٹوڈر تھا۔ اُس نے بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا۔ ایک دن ہم ڈاکٹر کے ہاں جا رہے تھے کہ وہ کہنے لگا حضرت صاحب! میں نے آپ سے کچھ باتیں پوچھنی ہیں۔ میں نے کہا پوچھو۔ کہنے لگا میں نے قرآن پڑھا ہے اس میں بڑی اچھی باتیں ہیں۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بہت تھوڑی ہے اب آپ مجھے بتائیں کہ اگر

اسلام میری سمجھ میں آجائے تو میں دنیا کے لیے مفید وجود کس طرح بن سکتا ہوں؟ آیا اِس طرح کہ اکثریت کے ساتھ شامل ہو جاؤں یا اِس طرح کہ اقلیت کے ساتھ مل جاؤں؟ اگر میں چھوٹی جماعت میں مل جاؤں تو میں کیا کام کر سکتا ہوں میں تو اسی صورت میں مفید کام کر سکتا ہوں جب میں بڑی جماعت میں ہوں۔ بات اُس کی معقول تھی اور اُس کا مطلب یہ تھا کہ احمدی بننے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ جبکہ احمدی بننے سے ماریں کھانی پڑتی ہیں، لوگوں کی گالیاں سننی پڑتی ہیں۔ میں نے کہا مسٹر سٹوڈر! ایک بات آپ نے نہیں سوچی اور وہ یہ کہ اکثریت کی موجودگی میں اقلیت کی ضرورت کیا تھی؟ اگر اقلیت کی ضرورت تھی اور اگر اقلیت کے پاس کوئی اچھی چیز ہے تو پھر اُس میں شامل ہونا چاہیے۔ اور اگر اُس کے پاس کوئی اچھی چیز نہیں تو آپ دوسروں سے مل کر اقلیت کو ختم کر دیں۔ آخر اُس نے جھگڑا کیوں ڈالا ہے اور کیوں وہ اکثریت کے مقابلہ میں کھڑی ہے؟ اور اگر اقلیت میں واقع میں کوئی اچھی بات ہے تو بتاؤ کہ اکثریت میں مل کر اچھی بات کو ختم کر دینا اچھا ہے یا اچھی بات کو قائم رکھنے کے لیے اقلیت کے ساتھ مل کر کام کرنا اچھا ہے؟ اگر اس کے پاس کوئی اچھی بات نہیں تو اُسے ختم کر دینا چاہیے۔ اور اگر اُس کے پاس کوئی اچھی بات ہے تو اسے قائم رکھنا چاہیے تاکہ دنیا نیکی سے محروم نہ ہو۔

غرض یورپ کے لوگ اب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ لیکن بڑی چیز جو اُن کے رستہ میں حائل ہے وہ یہی ہے کہ یورپین لوگ ہر چیز کو سیاسی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے بڑے بڑے لوگ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام اگر ہم تک پہنچا ہے تو احمدیوں کے ذریعے سے۔ لیکن مسلمان جن کی اکثریت ہے وہ احمدیوں کے ہی مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں اقلیت کے ساتھ ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اکثریت کے ساتھ ملیں گے تو مفید کام کر سکیں گے۔ اِس قسم کے وساوس کا بھی ازالہ ہو سکتا ہے جب ہمارے مبلغ اُن تک پہنچیں اور اُن کے شبہات کو دُور کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک آدھ دفعہ ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے متواتر اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر رسول کریم ﷺ سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے مگر آپ نے بھی سالہا سال تبلیغ کی اور پھر آپ کے صحابہؓ نے تبلیغ کی تب جا کر لاکھوں لوگ اسلام میں شامل ہوئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب انہوں نے اسلام کی اشاعت کی طرف سے توجہ ہٹا لی تو وہی لاکھوں

خراب ہو گئے۔ اِس طرح اگر ہمارے نمائندے اور ہمارے قائم مقام ان ممالک میں موجود ہوں، پھر یہ کام صرف انہی تک محدود نہ ہو بلکہ ان کی آئندہ نسل بھی اِس کام میں مشغول رہے تو سینکڑوں سال تک دنیا اسلام کے نور سے مستفیض ہوتی رہے گی۔

پس وقف کی تحریک اسلام کی اشاعت کے لیے ایک عظیم الشان تحریک ہے۔ اگر وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے اور نسلاً بعد نسلٍ ہماری جماعت کے نوجوان خدمتِ دین کے لیے آگے بڑھتے رہیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تک تبلیغِ اسلام کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ اِس غرض کے لیے میں نے متواتر جماعت پر وقف کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔ مگر اب میرا ارادہ ہے کہ جماعت سے خاندانی طور پر وقفِ اولاد کا مطالبہ کروں۔ یعنی ہر خاندان کے افراد اپنی طرف سے ایک ایک نوجوان کو اسلام کی خدمت کے لیے پیش کرتے ہوئے عہد کریں کہ ہم ہمیشہ اپنے خاندان میں سے کوئی نہ کوئی فرد دین کی خدمت کے لیے وقف رکھیں گے اور اِس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جب خاندانی وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے تو پھر اس کو وسیع کر کے ہم وقف کرنے والوں کو تحریک کر سکیں گے کہ وہ اپنے اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں سے ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار کو وقف کرنے کی کوشش کریں۔ اِس طرح یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ممتد ہوتا چلا جائے گا اور قیامت تک جاری رہے گا۔

جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا اب فصل تیار ہے صرف اس کے کاٹنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مغربی لوگوں میں اسلام کی طرف زبردست میلان پایا جاتا ہے۔ میں تو بیمار تھا اور لمبی بات نہیں کر سکتا تھا مگر میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی میں گفتگو کرتا یورپین لوگ فوراً ہتھیار ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ حقیقت کیا ہے۔ واپسی پر جب میں زیورچ پہنچا تو ایک ایڈلٹ (ADULT) سکول میں میری تقریر ہوئی۔ وہ ایک جرمن نے اپنے ذاتی شوق کے ماتحت بڑے لوگوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔ میری تجویز یہ تھی کہ میں اردو میں تقریر کروں اور پھر اُس کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے۔ مگر اُس نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ آپ انگریزی میں ہی تقریر کریں میں اُس کا جرمن زبان میں ترجمہ کروا لوں گا۔ اس کے لیے اُس نے نچلی منزل کے ایک کمرہ میں مائیکروفون پر ایک جرمن بٹھا رکھا تھا جو انگریزی کو خوب

سمجھتا تھا۔ میں تقریر کرتا تو وہ فوراً نیچے کمرہ میں اُس کے پاس پہنچتی اور وہ اُسی وقت اُس تقریر کا جرمن زبان میں ترجمہ کرتا۔ اور ایک اَور مائیکروفون پر جو اُس نے اپنے سامنے رکھا ہوا تھا وہ ترجمہ سنتا چلا جاتا۔ آگے تمام جرمن لوگوں نے جو میری تقریر سننے کے لیے اوپر کے ہال میں جمع تھے اپنے اپنے کانوں کے ساتھ ایک ایک آلہ لگایا ہوا تھا۔ جونہی وہ ترجمہ کرتا اُسی وقت ہر شخص کے کان تک وہ ترجمہ پہنچ جاتا اور اِس طرح پر ہر شخص ہال میں بیٹھے ہوئے اپنی زبان میں بھی میری تقریر سنتا چلا جاتا۔ پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ ہر شخص نے اپنے کان کے ساتھ کوئی آلہ لگایا ہوا ہے اور وہ جرمن زبان میں میری تقریر کا ترجمہ ساتھ کے ساتھ سنتے جارہے ہیں۔ لیکن ان کے چہروں کی بشاشت اور خوشی سے اور اُن کے سر ہلانے سے صاف پتا لگ رہا تھا کہ وہ تقریر سمجھ رہے ہیں اور اپنی بشاشت سے اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ یہ میری تقریر کس طرح سمجھ رہے ہیں؟ آخر پتا لگا کہ میری انگریزی تقریر کا جو شخص جرمن زبان میں ترجمہ کر رہا ہے وہ ساتھ کے ساتھ مائیکروفون پر وہ ترجمہ سناتا جارہا ہے۔ اور اوپر کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے لوگ اُن آلات کے ذریعہ جو انہوں نے اپنے کانوں سے لگائے ہوئے ہیں اس تقریر کو سنتے جارہے ہیں۔

بعد میں ان لوگوں نے اعتراضات بھی کیے۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اُن کے جواب سمجھا دیئے جس سے اُن کی تسلی ہوگئی۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ آپ نے جو اسلام کی باتیں بتائی ہیں یہ وہی ہیں جو عیسائیت اور یہودیت پیش کرتی ہے۔ پھر یہ کیا جھگڑا نظر آتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور عیسائی مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہود عیسائیوں اور مسلمانوں کو بُرا سمجھتے ہیں اور عیسائی اور مسلمان یہودیوں کو بُرا سمجھتے ہیں۔ گویا دنیا نہ موسیٰ کے خدا کو مانتی ہے، نہ عیسیٰؑ کے خدا کو مانتی ہے اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو مانتی ہے۔ ایسی صورت میں اِن جھگڑوں کے تصفیہ کے لیے سب مل کر یہ کیوں نہیں طے کر لیتے کہ سب لوگ ایک خدا کو مانیں، اس کی سچے دل سے عبادت کریں اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں؟ میں نے کہا مجھے سوال سن کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے تیرہ سو سال پہلے خدا تعالیٰ نے اِن جھگڑوں کے تصفیہ کا یہی طریق بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا 3 یعنی اے اہل کتاب!

آؤ میں تمہیں ایک کلمہ پر جمع ہونے کا طریق بتاؤں جو تمہارے نزدیک بھی مسلّمہ ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی مسلّمہ ہے وہ طریق یہ ہے کہ ہم سب ایک خدا کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دیں۔ تیرہ سو سال ہوئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ علاج بتایا تھا اور تمام اہلِ کتاب کو اِس اصل کی طرف توجہ دلائی تھی۔ مگر تمہارے باپ دادا نے قرآن کریم کی اِس دعوت کو قبول نہ کیا۔ پس بجائے ہم سے سوال کرنے کے تم اپنے باپ دادا پر شکوہ کرو اور انہیں کہو کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ نے اتنی اچھی تعلیم پیش کی تھی تو تم نے اسے قبول کیوں نہ کیا اور اپنا منہ کیوں پھیر لیا؟ بہرحال اس اتحاد کے نہ ہونے کا الزام اگر آتا ہے تو تمہارے باپ دادا پر آتا ہے ورنہ تیرہ سو سال سے قرآن کریم میں یہ بات موجود ہے۔ اب اگر تمہیں کوئی شکوہ ہے تو اپنے باپ دادا سے شکوہ ہونا چاہیے ہم سے نہیں ہونا چاہیے۔

غرض ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ جائیں اور انہیں اسلامی تعلیم سے آگاہ کریں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے لیے تبلیغ کا اس قدر رستہ کھلا ہے کہ بعض دفعہ تو حیرت آتی ہے کہ ہم یورپ کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور وہ اسلام کی طرف اتنا مائل ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر انگریز کے اندر یہ تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم کسی انگریز یا امریکن کو ملو اور وہ اسلام کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دے۔ کیونکہ دو ارب کی دنیا میں نوے کروڑ عیسائی ہیں اور میں صرف درجنوں سے ملا ہوں۔ پس ان میں دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر جو لوگ مجھے ملے ہیں وہ بھی کل تک اسلام کے دشمن تھے مگر اب اُن کے اندر تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ اس تبدیلی کو وسیع کرنا اور اس تبدیلی سے صحیح رنگ میں فائدہ اٹھانا اب ہمارا کام ہے۔

ڈسمنڈ شا مجھے انگلستان میں ملا تو کہنے لگا کہ میں جب کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ امن کی تعلیم دینے والے نبی ہیں تو پادری میری بات نہیں مانتے۔ میں نے کہا آپ کہتے جایئے ایک دن وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اِس وقت وہ صرف ضد کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں اور ضد ایسی چیز ہے جو انسانی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ میں نے کہا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہم نے ہی یورپ میں پھیلائی ہے اور ہمیں ہی مسلمان کافر اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ پادری تو ایک دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اُن کا

اِس میں کیا قصور ہے۔ خود مسلمان اپنے مذہب سے واقف نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت انہیں شمشیر کا نبی قرار دیتی ہے۔ پس آپ کہتے جایئے کہتے کہتے ایک دن دنیا سمجھ جائے گی۔

بہرحال یہ تحریک ہے جو میں جماعت میں کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہم اسلام کی اشاعت میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ آخر اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ اگر وقف کا سلسلہ جاری نہ رہے تو تمہارا یہ دعویٰ کہ اسلام دنیا پر غالب آجائے گا کس طرح سچا سمجھا جاسکتا ہے؟ یہ تو ہوگا نہیں کہ ایک دن صبح اٹھ کر تم تسبیح پر تین دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ کہو گے اور امریکہ کا پریذیڈنٹ اور کونسل آف سٹیٹ کے سب ممبر مسلمان ہوجائیں گے اور وہ اعلان کردیں گے کہ ہم عیسائیت کو ترک کرتے ہیں۔ اگر ہم نے واقع میں اسلام پھیلانا ہے تو بہرحال ہمیں جدوجہد کرنی پڑے گی اور چُھری سے چُھری رگڑنی پڑے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ بھوپال میں ایک بزرگ تھے جن کے پاس میں اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی وجہ سے اُن کے پاس جانے میں دیر ہوگئی۔ چند دن بعد جو میں انہیں ملنے گیا تو فرمانے لگے۔ نورالدین! کبھی تم نے قصاب کو گوشت کاٹتے بھی دیکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ بارہا دیکھا ہے۔ فرمانے لگے تم نے دیکھا ہوگا قصاب گوشت کاٹتے کاٹتے تھوڑی دیر کے بعد ایک چُھری کو دوسری چُھری سے رگڑ لیتا ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لیے رگڑتا ہے کہ گوشت کاٹتے کاٹتے چُھری کی دھار چربی لگنے کی وجہ سے کچھ کُند ہوجاتی ہے۔ جب وہ دوسری چُھری سے اُسے رگڑتا ہے تو وہ پھر تیز ہوجاتی ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ کو بنایا ہے۔ جب دو دماغ ملتے ہیں تو اُن کی باہمی رگڑ سے وہ دونوں تیز ہوجاتے ہیں۔ چونکہ تمہیں بھی دین سے محبت ہے اور ہمیں بھی محبت ہے اس لیے جب تم آتے ہو تو تمہارے ساتھ باتیں کرکے میں اپنے دماغ میں ایک نئی روشنی محسوس کرتا ہوں۔ اب کچھ دنوں سے تم نہیں آئے تو میں محسوس کرتا تھا کہ میرا دماغ کُند ہوتا جارہا ہے۔ تم آگئے ہو تو پھر تم سے باتیں کرکے میرا دماغ تیز ہوجائے گا۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیے جب تک صحیح رنگ میں کوشش نہ ہو اُس وقت تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر احمدی کو یہ

عہد کر لینا چاہیے کہ میں اپنے کسی نہ کسی عزیز یا رشتہ دار یا ساتھی کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ پھر وہ آگے اپنے ساتھیوں کو اسلام کی خدمت کے لیے تیار کریں اور یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہے۔ رفتہ رفتہ اتنے لوگ ہمارے پاس جمع ہو جائیں گے کہ ہم انہیں آسانی کے ساتھ مختلف ممالک میں پھیلا سکیں گے اور ان سے دین کی اشاعت کا کام لے سکیں گے۔ جب یہ لوگ اسلام کی اشاعت کے لیے ہر شخص تک پہنچیں گے تو چونکہ ان کے دل اسلام کی طرف پہلے ہی مائل ہیں اس لیے اسلام کی فتح کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا دنیا میں عزت کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابھی یہ مقام دُور نظر آتا ہے لیکن جب رَو پیدا ہوئی تو کامیابی اِتنی سرعت کے ساتھ ہوگی کہ ہمیں خود بھی اس پر حیرت ہوگی۔

رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو! تیرہ سال آپ مکہ میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے مگر اس تبلیغ کے نتیجہ میں صرف 80 آدمی آپ پر ایمان لائے۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ جس طرح بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کا پانی رُک نہیں سکتا اِسی طرح جب لوگوں میں ایک رَو چل جائے تو پھر گروہ در گروہ لوگ سچائی کو قبول کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی مخالفت ان کو پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔

آج ہمیں اسلام کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ مگر پھر وہ وقت آئے گا کہ وقف کرنے والے اتنی کثرت سے آئیں گے کہ سوال پیدا ہوگا کہ ان واقفین کو سنبھالے کون؟ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا؟ مجھے یہ فکر ہے کہ روپیہ کو سنبھالنے والے کہاں سے آئیں گے4۔ اِسی طرح مجھے بھی یہ فکر نہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ مجھے یہ فکر ہے کہ وقف کرنے والے اِس کثرت سے آئیں گے کہ اُن کو سنبھالے گا کون۔ دل خدا تعالیٰ کے قبضہء قدرت میں ہیں۔ جن دلوں کو وہ آپ صاف کر دے گا وہ دین کی خدمت کے لیے آگے آجائیں گے۔ پھر اُن کو دیکھ کر سینکڑوں لوگ پیدا ہو جائیں گے جو اپنے آپ کو وقف کرنے کے لیے پیش کر دیں گے۔ اور اُن سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں پیدا ہو جائیں گے۔

ہم بچے تھے تو ہم کتابوں میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ جب بادل آتا ہے تو قطرے آپس میں جھگڑتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میں زمین پر گر کر کیوں جان دوں؟ دوسرا کہتا ہے میں کیوں جان دوں؟ آخر ایک قطرہ آگے بڑھتا اور زمین پر گرتا ہے، اس کے بعد دوسرا قطرہ گرتا ہے، پھر تیسرا گرتا ہے، پھر چوتھا گرتا ہے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی ہے۔ یہی حال دین کی قربانی کا ہے۔ پہلے قربانی کرنے والے جب قربانی کرتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تباہ ہو جائیں گے مگر ان کی تو ہم سے بھی زیادہ عزت ہوئی اور ہم سے بھی زیادہ انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ آؤ ہم بھی انہی کے پیچھے چلیں۔ چنانچہ وہ بھی اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ زمانہ آ جاتا ہے کہ انسان کہتا ہے میں کس کو رکھوں اور کس کو رد کروں، کس کو چُنوں اور کس کو نہ چُنوں۔ اُس زمانے کے آنے سے پہلے پہلے جو لوگ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لیے پیش کریں گے وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوں گے اور اُس کی برکتوں سے اتنا حصہ پائیں گے کہ بعد میں آنے والے اُن برکات کا عُشرِ عشیر بھی نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ۔ فضیلت اُنہی کو ملتی ہے جو نیکی اور قربانی کی راہوں میں سبقت اختیار کرتے ہیں۔

مجھے شکوہ ہے کہ کراچی والے اب تک دوگنے کیوں نہیں ہو گئے۔ میں کئی سال سے انہیں توجہ دلا رہا ہوں مگر ابھی تک وہ دوگنے نہیں ہوئے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ انہیں دوگنا ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں موجودہ تعداد سے دوسَو گنے زیادہ ہونا چاہیے۔ اگر وہ سچے دل سے کوشش کریں اور اپنی جدوجہد کو تیز کر دیں تو وہ دیکھیں گے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی مدد اور اُس کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے اور انہیں ان کے مقصد میں کامیاب کرتی ہے۔ پس اپنے اندر دین کی خدمت کا احساس پیدا کرو اور سمجھ لو کہ دنیا کی اصلاح تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔ تمہیں اُس وقت تک چین اور آرام سے نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک دنیا کو تم ہدایت کی طرف نہ لے آؤ۔ اگر تم دنیا کی ہدایت کے لیے بے چین رہو گے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو بھی اُس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک

وہ تمہاری بے چینی کو دُور نہ کرلے۔ تمہاری بے چینی بے کار جاسکتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کی بے چینی کبھی بے کار نہیں جاسکتی۔ وہ جب بھی بے چین ہوگا اپنے کام کو کر کے رہے گا۔ "

(الفضل 16 /اکتوبر 1955ء)

1: ہری کین: (HURRICANE LANTERN) لالٹین۔ ہوا میں نہ بجھنے والا چراغ

2: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء:4)

3: آل عمران:65

4: الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 319